© rasailojaraid.com

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ موجودہ جمہوریت ملوکیت کی دوسری انتہا اور اس کی عین ضد ہے۔ اب ان پانچوں دفعات کی تحلیل کیجیے تو آخر میں صرف ایک ہی عنصر بسیط باقی رہے گا۔ یعنی قوت حکم وارادہ اشخاص و ذات کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ جماعت و افراد کے تسلط میں ہو۔

مختصر الفاظ میں اس کی تعبیر اس ایک جملہ میں ہو سکتی ہے۔ "نفی حکم ذاتی مطلق" باقی چار دفعات میں جو امور بیان کیے گئے ہیں وہ سب کے سب اس کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ مساوات حقوق مالی وقانونی، اساس مشورہ وانتخاب، عدم اختیار و تصرف خزانہ ملکی و حریت آرا و مطبوعات وغیرہ سب "نفی حکم ذاتی و مطلق" ہی کی تفسیر ہیں۔

مندرجہ بالا دفعات کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ بادشاہت کی دشمنی کے جوش میں اگر کچھ بادشاہت کے اصول اچھے بھی تھے تو جمہوریت پسندوں نے اس کی بھی مخالفت کو اپنا فرض سمجھ کر افراد کو بے لگام قسم کی آزادی کی بشارت دے دی۔

حقیقی جمہوریت اور عوامی حقوق

اس اعلان اور اس کی دفعات پر تبصرہ کرنے سے پیشتر یہ متعین کر لینا ضروری ہے کہ حقیقی جمہوریت ہے کیا۔ کاروبار مملکت میں عوام کی عدم مداخلت کا نام شخصی حکومت یا ملوکیت ہے اور جس حکومت میں عوام کی مداخلت جس قدر بڑھتی جائے گی۔ اسی قدر ہی وہ جمہوری حکومت کہلانے کی مستحق ہو گی۔ بالفاظ دیگر رئیس مملکت کے (اور اسی طرح دوسرے حکام یا اولوالامر کے) اختیارات و امتیازات — خواہ معاشرت سے تعلق رکھتے ہوں یا معیشت سے — جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر وہ حکومت مائل بہ ملوکیت سمجھی جائے گی اور اس میں عوام کے حقوق کم ہوتے جائیں گے اور رئیس مملکت کے اختیارات جس قدر محدود ہوں گے۔ وہ حکومت مائل بہ جمہوریت سمجھی جائے گی۔ اور اس میں عوام کے حقوق کی نگہداشت زیادہ ہو گی۔

اب اسی معیار پر ہم مذکورہ منشور کی دفعات کا ترتیب وار جائزہ لیں گے۔ جس سے:

۱۔ خلافت، جمہوریت اور ملوکیت کا فرق واضح ہو گا۔

۲۔ ہر صاحب فکر آدمی یہ اندازہ کر سکے گا کہ حقیقی جمہوریت کا علمبردار اسلام ہے یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ مغربی جمہوریت۔

۳۔ اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ عوام کے حقوق کی نگہداشت کس نظام میں سب سے زیادہ ہے۔

۱۔ استیصال حکم ذاتی

اس دفعہ کی پہلی شق یہ ہے کہ "حق حکم داراداہ اشخاص کی بجائے افراد کے ہاتھ میں آجائے۔"

یہ شق ملوکیت کے عین برعکس ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ریاست کے تمام شہری صدرِ مملکت کے انتخاب میں یکساں حق رکھتے ہوں۔ خواہ وہ اس حق کو بالواسطہ استعمال کریں یا بلاواسطہ۔ یہیں سے جمہوریت کا مشہور سیاسی حق — حق بالغ رائے دہی (بشمول خواتین) — جنم لیتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد ہر ووٹ کی قیمت یکساں قرار پاتی ہے۔

اسلام اس لامحدود حق کا قائل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق چونکہ معاشرہ کی اکثریت جاہل، فاسق اور ظالم لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے وہ نہیں چاہتا کہ ریاست کے اطراف و اکناف سے کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے مرکز میں لا کر ڈھیر کر دیا جائے۔ اسلام ایک نور ہدایت اور روشنی ہے جو مرکز سے نمودار ہو کر ریاست کے اطراف و اکناف میں اجالا کرتی ہے۔

اسلام میں خلیفہ کو انتخاب کرنے کا حق صرف ان لوگوں کو ہے جو اس کے نظریۂ توحید و رسالت اور آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ ان رائے دہندگان کے دیگر اوصاف اپنے مقام پر تفصیلاً ذکر کر دیے گئے ہیں۔

اس کی دوسری شق یہ ہے کہ "شخص، ذات یا خاندان کو تسلط و حکم میں دخل نہ ہو یعنی ملک ہی پریذیڈنٹ کا انتخاب کرے۔ اس کو حق عزل و نصب ہو۔"

ملوکیت میں تو ظاہر ہے کہ سربراہ ایک مخصوص — شاہی — خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور جمہوریت میں ہر شخص کو یہ سیاسی حق دیا گیا ہے کہ وہ سربراہِ مملکت بن سکے۔ خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن اسلام میں مملکت کا سربراہ صرف مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔ دوسرا شخص صدر مملکت تو کجا کسی کلیدی آسامی پر بھی فائز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اسلام ایک نظریاتی مملکت کا تصور پیش کرتا ہے۔

گویا پہلی دفعہ کی دونوں شقوں میں اسلام اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ مساوات عامہ

"اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں: مساوات جنسی، مساوات خاندانی، مساوات مالی، مساوات قانونی، مساوات ملکی و شہری وغیرہ وغیرہ۔"

ا۔ مساوات جنسی سے مراد یہ ہے کہ عورت بھی مرد کے برابر حقوق رکھتی ہے۔ خواہ یہ سیاسی حقوق جیسے حق رائے دہی، حق نمائندگی، حق منصب و عہدہ اور سیاسی جماعت بنانے کا حق یا دوسرے قانونی اور معاشرتی حقوق ہوں۔

ملوکیت میں تو سیاسی حقوق ہوتے ہی نہیں۔ جمہوریت نے اس کو لامحدود کر دیا اور اس میدان میں عورت کو بھی لا گھسیٹا ہے حتیٰ کہ وہ صدر مملکت بھی بن سکتی ہے۔ جو اسلامی نقطۂ نگاہ سے کسی صورت میں درست نہیں۔ اور یہ بحث ہم "عورت کا ووٹ" کے تحت درج کر آئے ہیں۔ رہے قانونی اور معاشرتی حقوق۔ تو ان میں اسلام عورت اور مرد میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتا۔

اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ زندگی کی دوڑ میں عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش چلیں۔ سیاسی کے علاوہ معاشی اور دوسرے میدانوں میں بھی۔ موجودہ تہذیب نے "مساوات مرد و زن" کے نعرہ سے جو خاندانی مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ اور پھر جوانی و رعنائی کے بعد عورت کو جس کس مپرسی کے میدان میں جا پھینکا ہے۔ اس کی تفصیل ہم پہلے دے چکے ہیں۔ گویا اس مسئلہ میں موجودہ تہذیب افراط و تفریط دونوں طرح کی مضرتوں کا شکار ہے۔ جب کہ اسلام نے اس معاملہ میں اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔

ب۔ مساوات خاندانی کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ سربراہ مملکت کسی بھی خاندان سے ہو سکتا ہے اور اس منشور میں غالباً یہی مطلب لیا گیا ہے۔

اب ملوکیت میں تو یہ عہدہ محض ایک مخصوص خاندان سے تعلق رکھتا ہے جمہوریت اور اسلام دونوں میں خاندان کی کوئی قید نہیں۔ تاہم اسلام ساتھ ہی ساتھ یہ پابندی ضرور لگاتا ہے کہ وہ مسلمان بھی ہو اور متقی بھی۔

اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ میں بلا امتیاز ہر خاندان کی یکساں قدر و منزلت ہو۔ ملوکیت میں تو شاہی خاندان بہرحال شاہی ہوتا ہے۔ دوسرے خاندان اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ جمہوریت اس مساوات کی دعویدار ضرور ہے مگر اس پر عمل کم دیکھا گیا ہے۔

ج۔ معاشرتی مساوات

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج کے جمہوری اور مہذب ترین ممالک میں گورے اور کالے کے جھگڑے بدستور موجود ہیں۔ امیر اور غریب کے مسائل بھی بدستور ہیں۔ عبادت گاہوں میں امراء کو تو کرسیاں ملیں اور بے چارے غریب فرش پر بیٹھیں۔ حد یہ ہے کہ بعض جگہ امرا کے گرجے ہی الگ الگ ہیں۔ اور ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں تو آج تک ذات پات کی تمیز قائم ہے۔ شودروں کی عبادت گاہیں الگ ہونا تو درکنار۔ ان کے سایہ سے ہی برہمن ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسلام نے گورے کالے اور امیر غریب کی تمیز ختم کر کے سب کو ایک صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ حتیٰ کہ امیر اور غلام ایک صف میں کھڑے ہیں اور جو جہاں کھڑا ہے اسے وہاں سے دوسرا اٹھا نہیں سکتا۔ یہاں شرف کا معیار ہے تو تقویٰ ہے۔ یہاں بلال حبشی جیسے پست قد، کالے رنگ اور موٹے ہونٹوں والے صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے۔

اَرِحْنَا یا بلال ــــــ اے بلال ہمیں (اذان کہہ کر) راحت پہنچاؤ۔

اور جن کو آپ نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔

اور اس معاشرتی مساوات کا سبق خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا۔ آپ چند سرداران قریش کو اسلام کے متعلق سمجھا رہے تھے کہ اتنے میں ایک نابینا صحابی ابن مکتوم آئے اور آکر ایک آیت کا مطلب پوچھنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی اور انقباض کے اثرات چہرہ پر نمودار ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے عتاب نازل فرمایا تو اس کی وجہ محض یہ تھی کہ اس نابینا صحابی کی طلب صادق کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے قریش کے کافر سرداروں سے بہت زیادہ تھی۔

معاشرہ کی مساوات کا دوسرا پہلو "بڑائی کی نخوت" کا خاتمہ ہے۔ ایک دنیادار معاشرہ میں وقار کا مسئلہ (QUESTION OF PRESTIGE) ایک عام بیماری ہوتی ہے۔ ماتحت کا یہ حق ہے کہ وہ بہر حال افسر کو سلام کرے۔ چاہے ماتحت بیٹھا کام کر رہا ہو اور صاحب بہادر باہر سے تشریف لائیں ورنہ ان کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ رواج بھی عام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ کمتر درجہ کے لوگ بڑوں کو سلام کریں۔ یا خاندان کے افراد سربراہ خاندان کو سلام کریں۔ اسلام نے چند ضابطے مقرر کر کے اس نخوت اور معاشرتی عدم مساوات کا علاج کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ ہر آنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ اسی طرح ہر سوار پر لازم ہے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔ سربراہ خانہ پر لازم ہے کہ وہی گھر میں داخل ہو کر اپنے بال بچوں کو سلام کہے۔ افسروں پر لازم ہے کہ جب وہ دفتر میں تشریف لائیں تو اپنے ملازموں کو وہ سلام کریں۔ اسی طرح سوار لوگوں کی نخوت کا یہ علاج ہے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کہیں۔ بزرگوں کی بزرگی کے مقامات اور بھی بہت سے ہیں۔ اسلام نے سلام کے یہ ضابطے مقرر کر کے ان کی نخوت کا علاج اور وقار کے مسئلہ کا حل پیش کیا ہے۔

حکام سلطنت کی بود و باش

معاشرتی مساوات کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ حکام اپنے آپ کو برتر مخلوق سمجھتے ہوئے عوام پر اپنے دروازے بند نہ کر دیں۔ نظام خلافت میں امیر اور حکام سے مسجد میں ملاقات کی جا سکتی ہے اور بر سر عام بازاروں میں بھی۔ ان سے التجا بھی کی جا سکتی ہے۔ سوال بھی اور ان پر تنقید بھی۔ حضرت عمرؓ جب کسی کو عامل مقرر کرتے تو ان سے مندرجہ ذیل باتوں کا عہد لیا جاتا تھا۔

۱۔ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔

۲۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔

۳۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

۴۔ دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لیے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے گا۔

یہ شرطیں اکثر پروانہ راہداری میں درج کی جاتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔

مندرجہ بالا شرائط میں سے پہلی تین شرائط تو معاشرتی مساوات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور چوتھی عوام کے بنیادی حقوق اور معاشرتی مساوات سے متعلق۔

عمال سے احتساب

ایک بار حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے۔ ایک طرف سے آواز آئی کہ عمر! کیا عاملوں کے لیے چند قواعد مقرر کر دینے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے؟ تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے۔ باریک کپڑے پہنتا ہے اور دروازے پر دربان مقرر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ (انصاری) کو بلایا (یہ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تمام غزوات میں شریک رہے اور ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ انہی وجوہ کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں عاملوں کے شکایات کی تحقیقات پر مقرر کیا تھا) اور کہا، عیاض کو جس حال میں پاؤ، ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہؓ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان بھی تھا اور باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتا اتروا کر کمبل کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ "جنگل میں جا کر چراؤ۔"

عیاض بار بار یہ کہتے تھے کہ "اس سے تو مرجانا بہتر ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "تجھے اس سے عار کیوں ہے؟ تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔"

غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن وقاصؓ نے کوفہ میں اپنے لیے ایک محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگی۔ محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن ابی وقاص کھڑے دیکھتے رہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ عام آدمیوں کو بھی باریک کپڑے پہننا یا ڈیوڑھی بنانا ممنوع تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت کے ارکان میں طرز معاشرت کا یہ امتیاز عوام کے دل میں اپنی کہتری کے احساس کا سبب بنتا ہے اور اس سے آقا غلام کا تصور ابھرتا ہے۔

اب ذرا موجودہ جمہوری معاشروں پر نظر ڈالیے۔ صدر کا عوام کے درمیان مل کر بیٹھنے کا تصور ہی محال ہے۔ اور صدر کی کیا بات ہے۔ چھوٹے چھوٹے افسروں کے دفاتر اور رہائش گاہوں پر کڑے پہرے بٹھائے جاتے ہیں اور بعض صاحب بہادروں کی رسائی تک کئی کئی دن گزر جاتے ہیں مگر ملاقات نصیب ہی نہیں ہوتی۔ نقل و حرکت بھی سیف گارڈ کی کڑی نگرانی میں ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بادشاہت اور جمہوریت میں کیا فرق باقی رہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہ جاتا ہے۔ کیا یہی معاشرتی مساوات ہے کہ عوام اپنی جائز شکایات یا ضروریات کے لیے بھی ان حکام کی ملاقات کو ترستے ہیں۔ ان شکایات کا ازالہ تو دور کی بات ہے۔

ج۔ مساوات مالی

یعنی اس بنا پر بھی پریذیڈنٹ کو عام باشندگان ملک پر کوئی تفوق و ترجیح نہ ہو

جمہوریت اور سرمایہ داری

یہ شق زیب منشور تو ہے مگر موجودہ جمہوری ممالک میں اس پر عمل پیرا ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ صدارت کا انتخاب لڑنا تو دور کی بات ہے۔ کسی اسمبلی یا بلدیاتی ادارے کا انتخاب لڑنے کے لیے نمائندہ کا سرمایہ دار یا جاگیر ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ طرزِ انتخاب ہے ہی ایسا کہ کافی سرمایہ کا متقاضی ہے۔ نمائندہ کو اپنی تشہیر، کنونیسنگ، جلسے جلوسوں اور ضیافتوں کے لیے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سرمایہ خواہ وہ خود مہیا کرے یا اسے پارٹی فنڈ سے ادا کیا جائے۔ اس کے بغیر وہ انتخاب لڑ ہی نہیں سکتا۔

ملوکیت میں تو خیر اس طرح کی مالی مساوات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جمہوریت کے پردہ میں بھی حقیقتاً سرمایہ ہی بولتا ہے۔ پارلیمنٹ کے ممبر سب سرمایہ دار یا جاگیر دار ہوتے ہیں اور صدر تو بہرحال ان سے بڑا سرمایہ دار ہونا چاہیے۔ ہر ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ہر وقت تجربہ کیا جا سکتا ہے۔

البتہ اسلامی نظام میں ایسی مثالیں ضرور موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ بچپن میں بکریاں چرایا کرتے تھے اور وہ خلیفہ بنے۔ اسی طرح حضرت علی بچپن میں مفلس تھے وہ بھی منصب خلافت پر فائز ہوئے۔

مالی مساوات کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی لیا جا سکتا ہے جسے معاشی مساوات کہا جاتا ہے اور سوشلسٹ اس کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔ تو ایسی مساوات نہ ملوکیت میں ہے نہ جمہوریت میں اور نہ اسلام میں۔

سوشلسٹ معاشرہ میں معاشی مساوات سے یہ مراد ہوتی ہے کہ حکومت سب سے ان کی املاک جبر سے چھین لے۔ اور انھیں قومی تحویل میں لے کر عوام کو بقدر سدِ رمق دے کر باقی سب کچھ پر خود قابض ہو جائے۔ بالفاظ دیگر حکومت عوام سب کو ایک جیسا مفلس بنا کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود بہت بڑی مال دار اور ڈکٹیٹر بن جائے۔ تو اس قسم کی مساوات کا اسلام قائل نہیں ہے کیونکہ معاشی مساوات ایک غیر فطری چیز ہے۔ ہر انسان کی ضروریات الگ الگ نوعیت اور صفت کی ہوتی ہیں۔ ایک کسان کی ضروریات ایک چیف جسٹس کی ضروریات کے مناسب اور برابر نہیں ہو سکتیں۔ حالانکہ دونوں معاشرے کے لابدی رکن ہیں۔ نظریۂ معاشی مساوات کے ابطال کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ اس پر اشتراکیت کے مادرِ وطن روس میں بھی آج تک صحیح طور پر عمل نہیں ہو گا۔

معاشی مساوات سے آج کل یہ مفہوم بھی لیا جاتا ہے کہ حکومت کی طرف سے سب عوام پر وسائل رزق ایک جیسے کھلے رہیں۔ اس نظریہ کی دعویدار تو سب طرح کی حکومتیں ہیں۔ لیکن ان پر عمل مفقود ہوتا ہے۔ ملوکیت میں کلیدی آسامیاں شاہی خاندان کے لیے مخصوص ہوتی ہیں کیونکہ وہ ان کا پیدائشی حق سمجھا گیا ہے۔ جمہوریت میں کلیدی اسامیوں میں اکثر ردو بدل اور عزل و نصب ہوتا رہتا ہے، جو اکثریتی پارٹی برسر اقتدار آتی ہے۔ وہ اپنے مفادات کے پیش نظر ان اسامیوں پر اپنے آدمی براجمان کرتی ہے۔ اسلام میں نہ تو یہ مناصب کسی خاندان کا حق ہے نہ کسی اکثریتی پارٹی کا۔ سارے عوام پر ان کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ ان اسامیوں پر متقی اور صالح مسلمان ہی فائز ہو سکتے ہیں۔

رہا معمولی قسم کی ملازمتوں کا مسئلہ تو یہ لوگ چونکہ کاروبارِ حکومت پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں تمام حکومتیں حسب ضرورت ہر شخص سے استفادہ کر لیتی ہیں اسلام میں ایسی ملازمتیں غیر مسلموں کو بھی دی جا سکتی ہیں۔

ملوکیت اور جمہوریت، دونوں سرمایہ دارانہ نظام ہیں۔ لہٰذا سرکاری ملازمتوں کے علاوہ دوسرے میدانوں میں عموماً سرمایہ دار ہی کی سرپرستی کی جاتی ہے اور انھیں کے حقوق و مفادات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ سود اور ٹیکس جو سرمایہ دارانہ نظام کے اہم ستون ہیں ملوکیت و جمہوریت دونوں میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔ سود سرمایہ دار کے سرمایہ میں ہر دم اضافہ کرتا رہتا ہے اور ٹیکسوں کا بار بھی بیشتر غریب عوام پر پڑتا ہے۔ صنعتی اور تجارتی ادارے بنکوں سے سود لیتے دیتے ہیں جس سے عوام کا معاشی استحصال ہوتا رہتا ہے۔ حکومت ان سودی اداروں کی سرپرستی کرتی ہے۔ لہٰذا بایں ہمہ دعویٰ یہ حقیقت اپنی جگہ برقرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ کہ ان مذکورہ دونوں نظاموں میں غریب لوگوں پر وسائل رزق کے دروازے بند رہتے ہیں۔ اسلام میں سود کے بجائے زکوٰۃ کا نظام ہے اور کاروباری اشتراک کے مضاربت کا اصول۔ جس کے ذریعہ محنت کش کو وسائل رزق سے وافر حصہ نصیب ہو جاتا ہے۔

د۔ قانونی مساوات

یعنی اس بنا پر بھی "پریذیڈنٹ کو عام باشندگان ملک پر کوئی تفوق و ترجیح نہ ہو" ملوکیت میں تو بادشاہ کی ذات خود قانون ہوتی ہے۔ اور شاہی خاندان کے دیگر افراد بھی قانون سے بالاتر سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن حیرانگی تو یہ ہے کہ جمہوریت میں بھی باایں ہمہ دعوی یہی کچھ ہوتا ہے جو ملوکیت میں ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے پاکستان کے دستور میں آج تک (۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی) ایسی دفعات موجود ہیں۔ جن کی رو سے صدر مملکت، وزیر اعظم، گورنر اور وزرائے اعلیٰ پر نہ تو کوئی فوجداری مقدمہ دائر ہو سکتا ہے۔ نہ انھیں عدالت کسی ایسے فوجداری مقدمہ میں ملوث قرار دے سکتی ہے! اور نہ ہی ملک کی کوئی بڑی سے بڑی عدالت انھیں طلب کر سکتی ہے۔ اور یہ صرف پاکستان پر منحصر نہیں بلکہ ہر جمہوری ملک کے صدر وغیرہ کے لیے ایسی قانونی مراعات موجود ہیں۔

پھر جمہوری ممالک کے صدر جب عوامی بنیادی حقوق کو کم یا سلب کرنا چاہیں تو ہنگامی حالات کا سہارا لے کر کسی وقت بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔ اور یہ تو ہم بتلا چکے ہیں کہ حقوق کا توازن کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ عوامی حقوق بڑھ جائیں تو صدر کے حقوق خود بخود کم ہو جاتے ہیں۔ اور اگر عوام کے حقوق کم کر دیے جائیں تو صدر کے اختیار خود بخود بڑھ جاتے ہیں۔

اب اسلامی نظام کی طرف آئیے: قانونی مساوات یہ ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو پیش کر کے یہ اعلان کر دیا کہ جس کسی نے مجھ سے کوئی بدلہ یا قصاص لینا ہو وہ آج لے سکتا ہے۔ پھر جب آپ ہی کے قبیلہ قریش کی ذیلی شاخ کی ایک عورت فاطمہ مخزومی نے چوری کی تو آپ سے اس جرم کی سزا موقوف کرنے کی سفارش کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

"پہلی امتوں کی ہلاکت کا سبب ہی یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی کمزور جرم کرتا تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملے سزا دینے اور اگر شریف ایسا کرتے تو اس کی سزا موقوف کر دی جاتی۔ یہ تو فاطمہ مخزومی کی بات ہے، خدا کی قسم! اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

اسلام کے خلیفہ کے اختیارات

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح (گورنر شام) نے حضرت معاذ بن جبل کو رومیوں کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں دیبائے زریں کا فرش بچھا ہے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ میں گھوڑا تھام لیتا ہوں آپ دربار میں جا کر بیٹھیے۔ معاذؓ نے کہا: "میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے، بیٹھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر زمین پہ بیٹھ گئے۔

بات چیت کے دوران بادشاہ اور اس کے اختیارات کا ذکر چھڑ گیا تو حضرت معاذؓ نے فرمایا:

"تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے۔ وہ کسی بات میں اپنے کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو دُرّے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا۔ مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں؟"

اور یہی وہ بات ہے جنھیں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بار بار اپنے خطبوں میں دہرایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ تو اس قانونی مساوات کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ بارہا خود عدالت میں حاضر ہوئے۔ ایک دفعہ آپ حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں بطور مدعا علیہ پیش ہوئے۔ حضرت زیدؓ آپ کی تکریم کی خاطر اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ تمہاری پہلی بے انصافی ہے" اور مدعی کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ اس مقدمہ میں فیصلہ حضرت عمرؓ کے خلاف ہوا جس کی تفصیل ہم نے کسی دوسرے مقام پر درج کر دی ہے۔

حضرت علیؓ کے اپنے دورِ خلافت میں ان کی اپنی زرہ چوری ہو گئی۔ جو حضرت علیؓ نے ایک یہودی کے پاس دیکھ لی تو آپ نے یہ نہیں کیا کہ اس سے اپنی زرہ لے لیتے بلکہ قاضی شریح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدالت میں اس یہودی پر مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت علیؓ کے پاس بطور گواہ ان کے بیٹے حضرت حسنؓ اور ان کے غلام تھے۔ قاضی شریح نے آپ کا مقدمہ صرف اس بنا پر خارج کر دیا کہ یہ شہادتیں اسلامی ضابطہ انصاف و عدل کے تقاضے پورے نہیں کرتیں۔ بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں اور غلام کی شہادت آقا کے حق میں ناقابل قبول ہے۔ حالانکہ عدالت کو خوب معلوم تھا کہ مدعی اور گواہ سب عادل اور ثقہ ہیں۔ لیکن عدل کا تقاضا یہی تھا کہ مقدمہ خارج کر دیا جائے۔

یہ صورت حال دیکھ کر یہودی نے زرہ بھی واپس کر دی۔ اور خود بھی مسلمان ہو گیا۔

مفت اور بلا تاخیر انصاف

قانونی مساوات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مملکت کے ہر فرد کو بلا امتیاز مذہب و نسل، عدل و انصاف مفت اور بلا تاخیر حاصل ہو۔ قانونی مساوات کا یہ پہلو بھی جمہوری ممالک میں یکسر ناپید ہے۔ دیوانی مقدمات کا تو یہ حال ہے کہ مقدمہ کا فیصلہ ہونے تک مدعی یا مدعا علیہ میں سے کوئی ایک فریق مر چکا ہوتا ہے۔ یا وہ یہ بھول چکا ہوتا ہے کہ مقدمہ کی نوعیت کیا تھی اور فوجداری مقدمات کا سالہا سال تک فیصلہ نہیں ہو پاتا۔

اسلام نے مفت انصاف کے لیے دو طرح کے اقدامات کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ اسلامی نظام میں کورٹ فیس کا کوئی جواز نہیں اور مدعی پر ظلم کے مترادف ہے اور اس کا فائدہ عام طور پر غریب طبقہ کو پہنچتا ہے۔ اور غریب طبقہ ہی عموماً مظلوم ہوتا ہے۔

اور دوسرا یہ کہ اس نظام میں وکیل کی ضرورت کو ختم کر دیا گیا ہے تاکہ جو لوگ وکلا کی بھاری فیسیں اور ان کے روزمرہ کے مطالبات پورے نہیں کر سکتے وہ بھی وہ اپنے جائز حقوق کے حصول سے محروم نہ رہ سکیں۔ عدالت کو یہ حکم ہے کہ وہ مدعی سے ہمدردی اور دلجوئی کا برتاؤ کرے اور کوئی ایسا اقدام نہ کرے جس سے فریقین میں سے کسی پر عدالت کا رعب طاری ہو سکے۔ یہاں کسی کو عدالت کے آداب ملحوظ رکھنے اور توہین عدالت کا خوف نہیں ہوتا۔

اور بلا تاخیر انصاف کے لیے اسلام نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے ہیں۔

۱۔ ہر محلہ کی عدالت اسی محلہ میں ہونی چاہیے تاکہ قاضی کو خود بھی حالات کا کسی نہ کسی حد تک علم ہو۔ اور دوسرے یہ کہ مدعا علیہ کو طلب کرنے میں زیادہ وقت خرچ نہ ہو۔ یا دقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش نہ آئے۔ حضرت عمرؓ بعض دفعہ بازار میں کھڑے ہی مقدمات فیصل کر دیا کرتے تھے۔

۲۔ قانونِ شہادت۔ اسلامی عدالت میں ہر کس وناکس کی شہادت قابل قبول نہیں۔ اس کے لیے ضابطے مقرر ہیں۔ اگر کسی گواہ کی شہادت عدالت میں غلط ثابت ہو جائے تو عدالت از خود اس پر فرد جرم عائد کر سکتی ہے اور اس کے جرم کے مطابق سزا دے سکتی ہے۔ اور آئندہ کے لیے اس کی شہادت کبھی قابل قبول نہیں۔ جبکہ ہماری عدالتوں میں ایسے گواہوں کو کھلی چھٹی دی جاتی ہے اور ان پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا۔

اسی طرح اگر مستغیث کا الزام عدالت میں جھوٹا ثابت ہو تو ہماری عدالتیں اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرتیں الایہ کہ ملتقاثا اپنے مقدمہ سے فارغ ہو کر پہلے مستغیث پر نئے سرے سے دعویٰ نہ کر دے۔ یہ بات بھی عدل وانصاف کے خلاف ہے۔

۳۔ بدنی سزائیں۔ بلا تاخیر انصاف کے حصول کے لیے اسلام نے تیسرا ضابطہ جو مقرر کیا ہے وہ برسرِ عام بدنی سزائیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیا ہے۔ آج کے جمہوری دور میں بدنی سزاؤں کو "ظلم کے مترادف" قرار دیا گیا ہے۔ اور اقوام متحدہ کے بنیادی حقوق کے چارٹر میں اس کو غیر انسانی سلوک قرار دے کر ایسی سزاؤں کو ترک کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس نظریہ کے دعویدار اپنی حکومتوں میں سیاسی اور بعض دفعہ فوجداری ملزموں پر بند کمروں میں ایسے ایسے مظالم ڈھائے جاتے ہیں اور بدنی سزائیں دی جاتی ہیں جن کے تصور سے ہی روح کانپ اٹھتی ہے اور مشاہدہ یہ ہے کہ ایسی سزائیں مجرموں کو اپنے کردار میں پختہ کر دیتی ہیں۔ پھر یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ جہاں جہاں عدالتوں میں بدنی سزائیں موقوف ہوئیں۔ جرائم میں اضافہ ہی ہوا ہے۔

ہم حیران ہیں کہ اگر انسانی جسم کو بچانے کے لیے پھوڑے کا اپریشن محض جائز ہی نہیں بلکہ اسے علین ہمدردی سمجھا جاتا ہے تو معاشرہ کو ظلم و فساد سے بچانے کے لیے بدمعاش کو بدنی سزا دینا کیسے غیر انسانی سلوک بن جاتا ہے؟ بدمعاش پر رحم کر کے معاشرہ میں بدامنی کو کیوں گوارا کیا جاتا ہے؟ اور اس وقت لوگوں کی ہمدردیاں کیوں اس کے لیے پیدا ہو جاتی ہیں جبکہ یہ بات قرآن کے حکم صریح کے برخلاف ہے۔ کیا یہ معاشرہ کے ساتھ غیر انسانی اور ظالمانہ سلوک نہیں ہے؟ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غیر انسانی سلوک کے یہ علمبردار اپنے ممالک میں قیام امن میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ ہمارے خیال میں غنڈہ عناصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اس پشت پناہی کی وجہ محض یہ ہے کہ موجودہ جمہوری دور میں "غیر انسانی سلوک کے یہ علمبردار" خود غنڈہ عنصر کے رحم و کرم کے محتاج اور اسی راستہ سے برسر اقتدار آتے ہیں تو ایسے لوگ اپنے معاونین کے حق میں برسر عام بدنی سزا کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟

۴۔ رشوت: بلاتاخیر انصاف کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ "رشوت" ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک لادینی ریاست میں چند سینکڑے تنخواہ پانے والا تحصیلدار — جس کے پاس لاکھوں کی جائداد کے مقدمے فیصلہ کے لیے آتے ہیں اور فریقین میں سے ہر ایک ہزار ہا روپے رشوت دینے کو برضا و رغبت تیار ہوتا ہے — کس حد تک اپنے آپ پر جبر کر کے رشوت لینے سے باز رہ سکتا ہے۔ جب کہ وہ پہلے ہی تنگی ترشی سے بسر اوقات کر رہا ہے۔ اور جمہوری دور کے تقاضوں کے مطابق اسے اپنی پوزیشن (STATUS) بھی برقرار رکھنا پڑتی ہے۔

اسلام نے رشوت کے انسداد کے لیے دو طریق اختیار کیے ہیں۔ اخلاقی اور عملی۔

اسلامی نظریہ حیات کی بنیاد ہی چونکہ آخرت اور اپنے اعمال کی جزا و سزا پر ہے۔ لہذا وہ قانون سے زیادہ اخلاق پر زور دیتا ہے۔ انسان کو زندگی میں لاتعداد ایسے مواقع مل جاتے ہیں جب وہ قانون کی دسترس سے بچ کر آسانی سے گناہ کے کام اور جرائم کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ ایسے موقعوں پر اسے صرف یہ تصور ہی گناہ سے باز رکھ سکتا ہے۔ اسلام نے رشوت کو بہت بڑا گناہ اور قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

الراشی والمرتشی کلاھما فی النار۔

رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

اور بعض روایات میں الرائش کا لفظ بھی موجود ہے۔ یعنی وہ شخص جو درمیان میں سودا طے کراتا ہے وہ بھی جہنمی ہے۔

رشوت تو درکنار، اسلام میں کسی عامل کو ہدیہ یا تحفہ لینے سے بھی سختی سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ بھی رشوت ہی کی ایک قسم ہے۔

اور عملی اقدام یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے قاضیوں کی بیش بہا تنخواہیں مقرر کیں تا کہ انھیں "بالائی آمدنی" کی احتیاج نہ رہے۔ مثلاً ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار

؎ یہ واضح رہے کہ زکوٰۃ کا نصاب ۲۰۰ درہم یا ۲۰ دینار ہے اور پانچ سو درہم کی قیمت تقریباً ۵۲ تولے سونا بنتی ہے۔

© rasailojaraid.com